© rasailojaraid.com

قسط نمبر 2 (آخری)

مقامِ حدیث قرآن کی روشنی میں

تحریر:
حضرت العلام مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ ''آپؐ وحی کی تلاوت میں جلدی نہ کریں اور متفرقات کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم پڑھ چکیں تو تم پڑھو، پھر اس کے مقاصد کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔''

ا۔ آنحضرت ﷺ نزول وحی کے ساتھ ہی ضبط کرنے کی کوشش فرماتے تا کہ کوئی لفظ حفظ سے رہ نہ جائے اس لیے فرمایا گیا کہ آپ فکر سے مطمئن رہیں، قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

۲۔ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ ''بیان کا مطلب یہاں اظہار مقاصد کے سوا کچھ نہیں اور یہ جمع اور قرآن سے مختلف ہے۔ پہلی دونوں چیزوں کا مقصد الفاظ قرآن کی حفاظت ہے۔ بیان سے مقصد اظہار مطالب ہے جو وحی کی روح ہے۔ اگر یہ محفوظ نہ ہو تو ان الفاظ کی حفاظت چنداں مفید نہ ہوگی۔ وہی بیان ہے جسے آنحضرت ﷺ نے قول، فعل اور تقریر سے بیان فرمایا۔ ''اِنَّ'' حرف تاکید کے ساتھ ''علینا'' کو مقدم فرما کر بیان کی ذمہ داری بطور حصر اپنے ذمہ فرمائی کہ بیان صرف ہمارے ذمہ ہے، اب سوچنا یہ ہے کہ جس بیان کو اس تاکید سے اپنے ذمہ قرار دیا ہے آیا ہوا بھی ہے یا نہیں؟ محفوظ بھی رہا یا نہیں؟

۳۔ اگر رواۃ اور روایت، اسانید اور رجال کے ظنون اور شکوک اسے بیکار کر سکتے تھے انسانی علوم کی پیش بندیاں اسے غیر مستند کر سکتی تھیں تو پھر ﴿إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ '' کے مؤکد دعوے سے کیا فائدہ؟

۴۔ اگر اس بیان کا مصداق اصطلاحی احادیث نہیں تو پھر یہ بیان دنیا میں کہاں ہے؟ بہر حال یہ قرآن عزیز کے لفظی وجود سے تو جدا ہے۔

۵۔ اگر یہ بیان واقعی محفوظ نہیں رہ سکا اور یہ تاکید دیندارانہ رکھ رکھاؤ سے زیادہ نہیں تو پھر الفاظ کی حفاظت سے کیا فائدہ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔اس کے ساتھ اس بات پر غور کرنا ہے کہ آیا لغت کی حفاظت حدیث سے زیادہ کی گئی ہے؟ آیا قرآن کی زبان (عربی) انقلابات کی زد سے اب تک محفوظ ہے؟ ان گزارشات پر دانشمندانہ اور دیانتدارانہ غور کرنے کے بعد سنت کی حجیت واضح ہو جائے گی اور یہ قرآن ہی کا تقاضا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا﴾ ''ہم نے قرآن کو آپؐ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ بشارت اور انذار دونوں مقاصد کو پورا کر سکیں۔'' ''لسان'' سے مراد عربی زبان یا آنحضرت ﷺ کے ارشادات بصورت سنت وحدیث، دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں دوسرا احتمال راجح ہے، صرف عربی زبان مراد لینا ٹھیک نہیں۔ یہاں لسان کی اضافت ''ک'' خطاب کی طرف ہے۔ معلوم ہے کہ عربی زبان لاکھوں آدمی بولتے ہیں اس تخصیص بالاضافات سے کیا فائدہ؟ عربی زبان میں نزول ایک دوسری خوبی ہے جس کا تذکرہ قرآن نے دوسرے مقامات میں فرمایا: ''لسان'' سے مراد یہاں عربی زبان لی جائے تو ''لتبشر'' میں لام تعلیل بالکل بیکار ہوگا، یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہ رہے گی بلکہ ہر صاحب زبان ایسا کر سکتا ہے۔ آیت کی ترتیب میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔

﴿وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ﴾ ''جب تم ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دیتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسوم وعادات کافی ہیں جو اپنے بزرگوں سے ہمیں وراثت میں ملی تھیں۔ گو وہ بزرگ علم وہدایت سے یکسر خالی ہوں۔''

''الی الرسول'' بصورت عطف مذکور ہوا ہے اور حکم معلوم ہے، معطوف اور معطوف علیہ عام حالات میں دونوں مستقل ہوتے ہیں اور مغائر بالذات جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارے پاس روپیہ بھی ہے اور زمین بھی تو اس مثال میں روپیہ اور زمین ایک نہیں ہو سکتے بلکہ دونوں الگ الگ ہوں گے۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی آنجہانی ''الرسول'' سے بھی قرآن ہی سمجھتے تھے اور یہ میری رائے میں جہل عظیم ہے اور عربی سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ دعوت الرسول کا مطلب آنحضرت ﷺ کی سنت کی طرف دعوت کے سوا کوئی بھی نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں بظاہر دو مستقل چیزیں ہیں اور دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(أَلا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرآنَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ) ''الرسول'' دعوت آسمانی کا ایک مستقل رکن ہے جب ہر سنت صالحہ قابل اتباع ہے تو سنت رسولؐ کو اس سے کیونکر محروم رکھا جائے؟ سنت رسولؐ کی حجیت اور استقلال کا مفہوم قرآن میں اس قدر عام اور واضح ہے کہ سینکڑوں آیات اس موضوع پر جمع کی جاسکتی ہیں۔ توجہ کیلئے صرف مذکورہ آیات زیر قلم آئی تھیں تاکہ قرآن مجید کے طالبعلم اس نہج پر سوچنے کی کوشش کریں۔

قرآن کی دعوت

بعض آیات قرآن عزیز میں اس طرح مذکور ہوئی ہیں کہ قرآن کا مفہوم حدیث کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، یہ قرآن کی دعوت ضرورت حدیث کو ثابت کر رہی ہے، اشارۃ النص کے طور پر قرآن مجید ضرورت حدیث کو ثابت فرماتا ہے۔ منکر حدیث سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ بحیثیت طالب علم قرآن میں اس طریق پر بھی غور کی تکلیف گوارا کریں، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو کھول دے اور قوت فہم کو استفادہ کا موقع مل جائے۔ ارشاد حقانی ہے: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''تحقیق گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں۔ بیچ کتاب اللہ کے جس دن پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔''

ان چار ماہ کا ذکر قرآن میں اجمالاً آیا ہے ان میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ان میں ابتداء لڑائی حرام ہے لیکن نہ قرآن میں بارہ مہینوں کے نام مذکور ہیں اور نہ چار ماہ کا کوئی تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہ تذکرہ احادیث میں ملتا ہے یا عرب کی تاریخ میں معلوم نہیں کہ ہمارے اہل قرآن کونسا مقدس ذخیرہ قبول فرمائیں گے۔

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ''چور مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹ دو، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کیے کی جزا ہے۔''

''ید'' کا لفظ عربی زبان میں ناخن سے لے کر کندھے تک بولا جاتا ہے، قرآن نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کی حد بیان نہیں فرمائی، تواتر عملی سے ثابت ہوتا ہے کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنا چاہیے اور اس کی بناء سنت پر ہے۔ سنت کی حجیت کا انکار کر دیا جائے تو ہاتھ یا تو ''بغل'' سے کاٹنا ہوگا یا کوئی اور مستند شرعی حد تلاش کرنا ہوگی۔ یہ قرآن میں سے سنت کیلئے ایک آواز ہے۔ قرآن کا مفہوم عمل کیلئے سنت کی توضیح کے بغیر صاف نہیں اور یہ دلیل ہے کہ سنت حجت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡہَکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ﴾ ''جب نماز کا ارادہ کرو تو منہ کو دھولو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور سر کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھوڑالو۔'' ﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ﴾ ''اگر بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال مضر ہو یا پیشاب پاخانہ یا لمس کی وجہ سے وضو ٹوٹ چکا ہو اور پانی دستیاب نہ ہو سکے تو تیمم کیلئے پاکیزہ مٹی منہ اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ تعالیٰ مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا اور اپنی نعمت پوری کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

اس آیت میں وضو اور تیمم کی وضاحت کی گئی ہے، وضو اس سے پہلے موجود تھا، ۱۲ نبوی بوقت معراج نماز فرض ہوئی، وضو بھی اس وقت بتا دیا گیا۔ چنانچہ آٹھ سال آنحضرت ﷺ اس ہدایت کے مطابق نماز ادا فرماتے رہے اور باوضو نماز ہوتی رہی۔ آٹھ سال کے بعد ۶ ھ میں سورہ مائدہ نازل ہوئی، اس میں وضو کی ترتیب بتا کر آٹھ سال کے عمل کی تائید فرما دی گئی، آٹھ سال تک جو کچھ ہوا سنت کے مطابق ہوا تھا۔ آٹھ سال بعد قرآن میں اس کی تائید فرما دی گئی اگر حدیث حجت نہ تھی تو وضو کیوں کیا گیا؟ شاید اپنے مسلک کی بیخ میں بے وضو پڑھنے کو ترجیح دی جائے لیکن شاید وجود اس کے خلاف ہے۔

آیت کے دوسرے حصے میں تیمم کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں ہاتھوں کا ذکر آیا ہے لیکن حد تک بتلائی گئی کہ آیا اس میں کلائی تک ہاتھ شامل ہوگا یا مرفقین تک یا بغل تک، کوئی وضاحت بھی قبول کی جائے اس کی بنیاد سنت پر ہوگی قرآن اس میں خاموش ہے اور قرآن خود توجہ دلاتا ہے کہ ان احکام کی عملی صورت آنحضرت ﷺ کے عمل سے معلوم ہوگی اور یہ حجیت سنت کیلئے ایک اضطراری دعوت ہے۔ آیت کے نزول اور وضو کی فرضیت میں آٹھ سال کے فرق کا ذکر پہلے علماء نے بھی فرمایا ہے۔ مفتاح السعادۃ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ابجد العلوم للنواب کشف الظنون وغیرہ میں ہے:

''المثال الثاني: آية الوضوء انها مدنية اجماعاً و فرضه كان بمكة مع فرض الصلوة وكآية الجمعة فانها مدنية والجمعة فرضت بمكة. قيل: والحكمة فى ذلك تأكيد حكم السابق بالآية.'' [أبجد العلوم للنواب صديق]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''وضو کی آیت مدینہ میں نازل ہوئی اور وضو نماز سمیت مکہ میں فرض ہوا۔ اسی طرح جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہوا تھا لیکن سورہ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ اثبات حکم میں سنت پر اعتماد کیا گیا اور قرآن میں اس کی تائید فرمادی گئی۔''

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ ''قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ۔'' نماز اور زکوٰۃ کا حکم قرآن میں بار بار آیا ہے لیکن تعین اوقات، رکعات، وظائف اور ادا کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ مختلف قسموں کے احوال میں نصاب کا تعین، مقدار زکوٰۃ کی وضاحت قرآن میں نہیں ہے۔ جن حضرات نے ان تفصیلات کو سنت سے الگ طے کرنے کی کوشش کی ہے وہ اپنی کوشش میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اس لیے خود قرآن مجید حجیت حدیث کا مطالبہ کر رہا ہے۔

اہل قرآن

اہل قرآن سے ادباً گزارش ہے کہ جہاں تک اسلام اور اس کی تعلیمات کا تعلق ہے، سنت کی حجیت اور تسلیم احادیث کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تعلیمات اسلامی میں اس کی حیثیت ایک ایسے جزء کی ہے جس کے انکار سے حقیقت ایمان میں فرق آنا ضروری ہے۔ انکار نبوت اور فرامین نبوت میں چنداں فرق نہیں۔ ایمان پیغمبر کے جسم پر نہیں بولا جاتا بلکہ اس کے ارشادات پر ہی بولا جاتا ہے۔ جہاں تک ایمان و دیانت کا تعلق ہے منکرین سنت اور حجیت حدیث کیلئے یہاں ٹھکانا نہیں ہے بلکہ ''طلوع اسلام'' اور اس قسم کے دوسرے لادینی رسائل ذہنوں کی تربیت کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ اسلامی تربیت نہیں بلکہ اس آزادی کو دیکھتے ہوئے جس کی تلقین ان لوگوں کا شیوہ ہو چکا ہے خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی باقاعدہ اور منظم کفر میں بھی ان کیلئے جگہ نہیں ہے۔ یہودیت اور نصرانیت کفر ہیں لیکن ان کا قانون بھی توڑنے کے بعد انسان ان کی طرف نسبت نہیں کر سکتا۔ بت پرستی بھی ایک قانون ہے اور اس کی کچھ حدود ہیں ایک آزاد منش آدمی وہاں بھی اسی وقت تک رہ سکتا ہے جبکہ ان کی پابندیوں کو قبول کرے۔

میری دانست میں ہمارے ان آزاد منش حضرات کی جگہ یا اباحیت میں ہے یا اشتراکیت کی وسعتوں میں کسی باقاعدہ مذہب میں (کفر ہو یا اسلام) ہمارے ان دوستوں کیلئے بظاہر کوئی جگہ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com